ڈاکٹر محمد عامر اقبال
اسسٹنٹ پروفیسر، شعبہ اردو، یونیورسٹی آف سیال کوٹ
پروفیسر مشتاق عادل
صدر شعبہ اردو، یونیورسٹی آف سیالکوٹ، سیالکوٹ
عبیدہ تسنیم
سینئر سبجیکٹ سپیشلسٹ، گورنمنٹ گرلز ہائر سیکنڈری سکول، باغ، تحصیل و ضلع جھنگ

اسلامی معاشرے کی تشکیل میں رموزِ بے خودی کے عناصر: تحقیقی مطالعہ

ABSTRACT:

Iqbal presented "Ramooz-e-Be-Khudi" after his Masnavi " Asrar-e-Khudi ". They have great importance in the awakening of national consciousness and unity. Iqbal's political and religious thoughts are clearly revealed through the study of this article. The journey from individuality to collectivity is the most beautiful capital of Iqbal's thought. Studying the discussions of this Masnavi for the formation of the Islamic society is insightful. In this article, a detailed light has been thrown on the position and status of women and Mother. The importance of the Islamic Society has been highlighted in the light of Surah Al-Ikhlas. At the end, the summary of "Ramooz-e-Be-Khudi"is described. The study of this article will provide new sources to Iqbal's thought.

KEYWORDS: Islam, National consciousness, Unity, Stability, Ijtihad.

فکرِ اقبال کے موضوعات فکر و فہم اور آگہی کا خزانہ لیے ہوئے ہیں۔ اقبال کے افکار کا مطالعہ دانش وری کے بلند رتبوں پر فائز کرتا ہے۔ فراست کی اس کہکشاں سے کواکب کا انتخاب حیاتِ عالم کو روشن و رخشاں کر دینے کے لیے ناگزیر ہے۔ فکرِ اقبال کا معتبر اور مستحکم سرمایہ قابلِ تحسین ہے۔ اس کے مؤثرات عصری اور عبقری ذہنوں کو تر و تازہ رکھتے ہیں جو پیکارِ حیات کی نشو نما کے لیے کارر گر ہیں۔ فکرِ اقبال کے علمی کارواں میں افتاں و

خیزاں رہ رواںِ شوق تفسیر وتوسیع کے لیے کوشاں ہیں۔ یہ پیام سمجھنا ہر ایک کے لیے لازم ہے۔ڈاکٹر توقیر احمد خاں نے اس نکتے کی وضاحت کچھ اس طرح کی ہے:

ان کے پیغام کو دنیا کا بالائی طبقہ ہی سمجھنے کی اہلیت رکھتا ہے۔لیکن اس کے ساتھ ساتھ یہ بات بھی صحیح ہے کہ اقبال کا فکر وفلسفہ دنیا کے کم علم اور بے بصر لوگوں کے لیے چراغِ ہدایت بھی ہے کہ وہ بھی کلامِ اقبال کو پڑھیں ،اپنی فہم سے بالا تر چیزوں کی تلاش و جستجو کریں اور ان کے افکار کو سمجھیں۔دراصل اقبال غور وفکر اور تدبر کا شاعر ہے۔وہ خود کائناتِ عالم کی اشیا پر غور کرتا ہے اور دنیا کے لوگوں کو غور کرنے کی ترغیب دیتا ہے[1]

اس طرح مظاہرِ فطرت کو سمجھنے کی صلاحیت پیدا ہوتی ہے۔خدا دلِ فطرت شناس عطا فرمادے تو سکوتِ لالہ و گل سے کلام پیدا کرنے کی صلاحیتوں سے اذہان مستنیر وتابندہ ہو جاتے ہیں۔ گردوں سے ٹوٹے ہوئے تارے کو تدبر کی صفت میسر آجاتی ہے۔اس کی خودی پرواں چڑھتی ہے۔خودی بیدار ہو جائے تو ربِ کائنات بندے سے پوچھتا ہے کہ بتا؟ تیری رضا کیا ہے؟ بادِ صبح گاہی بھی یہی پیغام لاتی ہے کہ خودی کے عارفوں کا مقام بادشاہی ہے۔بشر کا یہ انفرادی رتبہ قابلِ تحسین ہے۔ہر فرد ملت کے مقدر کا ستارہ ہے۔یہ بات فرد کی انفرادیت سے آگے بڑھتی ہے تو افراد کی اجتماعیت تک پہنچتی ہے۔پھر اقوام کی تقدیر بھی افراد کے ہاتھوں میں آجاتی ہے۔انفرادی حیثیت سے اپنا عرفان پالینے والا،خودی کا سرِّ نہاں پالینے والا اور رازِ درونِ حیات جان لینے والا، بیداریٔ کائنات کے شعور سے مالا مال ہو جانے والا،انفرادیت سے اجتماعیت کی طرف رواں دواں ہو کر خودی کی لذت سے سرفراز ہو جاتا ہے اور ملت کی تشکیل وتوسیع کے لیے اپنا کردار ادا کرنے کی صلاحیت حاصل کرلیتا ہے۔یہی مرحلہ بے خودی ہے۔خودی کا پہلا حصہ ''اسرارِ خودی'' ہے اور ''رموزِ بے خودی'' دوسرا حصہ ہے۔ڈاکٹر رفیع الدین ہاشمی ان مثنویوں کے بارے میں کہتے ہیں:

''ملی شعور کی بیداری اور اجتماعی شیرازہ بندی میں مذکورہ بالا دونوں مثنویوں اسرار ورموز کی افادیت مسلّم ہے''[2]

اقبال نے ''رموزِ بے خودی''میں جو نکات بیان کیے ہیں ان کا مطالعہ اور حقائق کی تعبیر سرودِ سحر آفریں سے کم نہیں۔انفرادیت کو چھوڑ کر اجتماعیت کا حصہ بن جانا،خودی کے تین مرحلوں سے گزر کر بے خودی کے دوارکان ،توحید اور رسالت کا فیضان حاصل کرنا اور اتحاد واتفاق کی فضاؤں میں پرواز کرنا،بے خودی کا نکتۂ عروج ہے۔جسے

اقبال نے نہایت حکیمانہ لذت افروزی عطا کی ہے۔ اقبال کو یقین تھا کہ کوئی بھی قوم اپنے ماضی سے ربط اور تعلق کی وجہ سے تابناک ہوتی ہے۔ ماضی ہی کی یاد سے وہ خود کو پہچانتی ہے۔ اگر کوئی قوم اپنا ماضی بھلادے تو پھر وہ فنا ہو جاتی ہے۔ اقبال نے غفلت کے شکار مسلمانوں کو جھنجھوڑتے ہوئے پوچھا ہے کہ بے خبر! تاریخ کیا ہے؟ کیا یہ کوئی داستان ہے؟ کوئی افسانہ ہے؟ کوئی قصہ ہے؟ کسی بھی قوم کے لیے اس کا ماضی یا اس کی تاریخ کا بنادی جزو ہے اور کسی بھی ملت کے لیے تاریخ بنیادی ضرورت ہے۔ تاریخ پہلے خنجر کو سان پر لگاتی ہے پھر اسے دنیا پر چلا دیتی ہے۔ یعنی پہلے مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے پھر غلبہ نصیب ہوتا ہے۔ اقبال نے نصیحت کی کہ ہمیں اپنی تاریخ کی حفاظت کرنی چاہیے ہمیں ملت اسلامیہ کے ماضی سے رابطہ قائم کرنا ہوگا۔ ورنہ تاریکی اور تباہی کی رات طویل تر ہوتی چلی جائے گی۔

اقبال نے فلسفۂ بے خودی میں ملتِ اسلامیہ سے خطاب کیا ہے، فرد اور ملت کے باہمی ربط پر روشنی ڈالی ہے۔ ملت کی تربیت میں نبوت کا حصہ واضح کیا ہے۔ ملتِ اسلامیہ کے بنیادی ارکان کا ذکر کرتے ہوئے توحید اور خوف و یاس کے ازالے کا نسخہ بتایا ہے۔ تیر اور شمشیر کی باہم گفتگو سے ذوالفقار کی کاٹ کا نقشہ کھینچا ہے۔ شہنشاہ عالم گیر کا شیر کو ایک ہی وار سے ڈھیر کر دینا، توحید پر مضبوط ایمان کا باعث قرار دیا ہے۔ مساوات و حریت کی تشکیل اور رسالتِ محمدیؐ پر سیر حاصل گفتگو کی ہے۔ اسلامی اخوت کے لیے بوعبیدہ اور جابان کا واقعہ بیان کیا ہے۔ سلطان مراد اور معمار کا واقعہ بیان کرتے ہوئے اسلامی مساوات کا نمونہ پیش کیا ہے۔ شہادتِ حسینؓ کے آئینے میں اسلامی حریت کی شاندار عکاسی کی ہے۔ اسلام کی آفاقیت بیان کی ہے اور واضح کیا ہے کہ وطنیت اساسِ ملت نہیں ہے۔ اسلام کی لازمانیت کی وضاحت پیش کی ہے قرآنِ حکیم کو ملتِ اسلامیہ کا آئین قرار دیا ہے۔ تقلید یا اجتہاد کے پہلو اجاگر کیے ہیں۔ اسوۂ حسنہؐ کو ملت کی سیرت کا حسن قرار دیا ہے۔ اقبال نے اپنی مثنوی ''اسرارِ خودی'' میں جن نکات پر روشنی ڈالی تھی ناقدین کے نزدیک ''رموزِ بے خودی'' میں کچھ متضاد پہلو سامنے نظر آتے ہیں۔ اقبال نے ان کی وضاحت کی ہے۔ انفرادی زندگی کے جزو کو قومی زندگی کے کل میں شامل کر دینا قومی ترقی اور استحکام کے لیے بہت ضروری ہے۔ اس کا نام بے خودی ہے اور اس بے خودی کا ذکر ڈاکٹر فرمان فتح پوری نے یوں کیا ہے:

> ''یہ وہ بے خودی ہے جو انفرادی خودداری و خود شناسی کے بعد پیدا ہوتی ہے اور جو فرد و قوم دونوں کے لیے حد درجہ نفع بخش ہے''(3)

''اسرار و رموز'' کے حوالہ سے اقبال کے فکر و فلسفہ پر اعتراضات کرنے والوں میں اکبر الٰہ آبادی جیسی معتبر شخصیت کا نام بھی سامنے آتا ہے۔ اقبال کا موقف یہ تھا کہ اکبر الٰہ آبادی نے مثنوی کا مطالعہ کیے بغیر اعتراضات کیے ہیں۔ اقبال نے اپنے خط میں بے خودی کی دو اقسام بیان کی ہیں اور اپنے مقاصد کی تفصیل بیان کی ہے۔ اقبال نے لکھا ہے:

> آپ مجھے تناقض کا ملزم گردانتے ہیں۔ یہ بات درست ہے مگر یہ میری نہیں بلکہ میری بد نصیبی یہ ہے کہ آپ نے مثنوی اسرارِ خودی کو اب تک نہیں پڑھا۔۔۔ ایک مسلمان پر بد ظنی کرنے سے محترز رہنے کے لیے میری خاطر سے ایک دفعہ پڑھ لیجیے۔ اگر آپ ایسا کرتے تو یہ اعتراض نہ کرتے۔۔۔ میں اس خودی کا حامی ہوں جو سچی بیخودی سے پیدا ہوتی ہے۔ یعنی جو نتیجہ ہے ہجرت الی الحق کرنے کا، اور جو باطل کے مقابلے میں پہاڑ کی طرح مضبوط ہے۔۔۔ ایک اور بیخودی ہے جس کی دو اقسام ہیں:
>
> (1) ایک وہ جو DYRIC POETRY کے پڑھنے سے پیدا ہوتی ہے۔ یہ اس قسم سے ہے جو افیون و شراب کا نتیجہ ہے۔
>
> (2) دوسری وہ بے خودی ہے جو بعض صوفیہ اسلام اور تمام ہندو جوگیوں کے نزدیک ذاتِ انسانی کو ذاتِ باری میں فنا کر دینے سے پیدا ہوتی ہے اور یہ فنا ذاتِ باری میں ہے، نہ احکامِ باری تعالیٰ میں۔
>
> پہلی قسم کی بے خودی تو ایک حد تک مفید بھی ہو سکتی ہے مگر دوسری قسم تمام مذہب و اخلاق کے خلاف اور جڑ کاٹنے والی ہے۔ میں ان دو قسموں کی بے خودی پر معترض ہوں اور بس۔ حقیقی اسلامی بے خودی میرے نزدیک اپنے ذاتی اور شخصی میلانات، رجحانات و تخیلات کو چھوڑ کر اللہ تعالیٰ کے احکامات کا پابند ہو جانا ہے۔ اس طرح پر کہ اس پابندی کے نتائج سے انسان بالکل لاپرواہو جائے اور محض رضا اور تسلیم کو اپنا شعار بنائے۔ یہی اسلامی تصوف کے نزدیک 'فنا' ہے۔ البتہ عجمی تصوف فنا کے کچھ اور معنی جانتا ہے جس کا ذکر اوپر کر چکا ہوں[4]

اقبال نے فنا کا مفہوم بیان کیا اور اپنے خط میں تصوف کی وضاحت بھی پیش کی۔ اس طرح اقبال کے مذہبی عقائد کا مقصود بھی ہمارے سامنے عیاں ہے۔ اقبال کے نزدیک ملتِ اسلامیہ کا مرکز بیت الحرم ہونا چاہیے۔ اقبال

نے ''رموزِ بے خودی'' میں ملتِ اسلامیہ کے تشکیل کے اہم عناصر پر تفصیل روشنی ڈالی ہے۔ عورت کی اہمیت اور افادیت پر اقبال نے اپنے فلسفۂ بے خودی میں تفصیلی روشنی ڈالی ہے۔ آپ نے واضح کیا کہ نوعِ انسانی کی بقا امومت یعنی ماں بننے میں ہے۔ امومت کا تحفظ اور اس کا احترام اسلام کی بنیاد ہے۔ عورت کے بغیر آدمی کی زندگی بھی بے وقعت ہے۔ اور اس حالت میں کوئی بھی کارہائے نمایاں سرانجام نہیں دے سکتا اور نہ ہی اس میں خود بھی کوئی انقلاب پیدا ہو سکتا ہے۔ اقبال نے ماں کے لفظ سے عورت کا احترام بڑھایا ہے۔ امومت سے ہمارے کردار کی تعمیر مزید پختہ ہوتی ہے۔ ماں کی پیشانی کی لکیروں میں ہماری تقدیر پوشیدہ ہے۔ امومت سے ہی حیات کے پوشیدہ راز ظاہر ہوتے ہیں۔ اخوت کے راز کی حفاظت مائیں کرتی ہیں۔ اقبال نے اس حدیث مبارکہ کا حوالہ دیا ہے جس میں آیا ہے کہ ماؤں کے قدموں تلے جنت ہے۔ جو عورت مغربی تہذیب کے دلدادہ ہو گی وہ دیکھنے میں تو عورت ہو گی لیکن درحقیقت اس میں عورتوں والی کوئی بات نہیں۔ اسلام نے جہاں عورتوں کو بہت سے حقوق دیے ہیں وہاں ان پر کچھ پابندیاں بھی عائد کی ہیں جو مغرب زدہ عورت نے توڑ دی ہیں۔ مغرب زدہ عورتوں کی ملتِ اسلامیہ میں کوئی جگہ نہیں۔ یہ ملت سے دور ہی رہیں تو اچھا ہے۔ قوم کا سرمایہ نقدی، گھریلو سامان اور چاندی نہیں بلکہ قوم کا مال و دولت تو تندرست اور توانا نوجوان ہیں، جن کا دماغ تیز ہو اور وہ سخت جان اور چاق چوبند ہوں۔ ماؤں کی تربیت ہی سے ایسے نوجوان قوم کو میسر آ سکتے ہیں۔ ماں کی تربیت سے بھائی چارے کا جذبہ پیدا ہوتا ہے۔ ماں ہی قرآن اور ملت کی تقویت کا باعث بنتی ہے۔

حافظ، رمزِ اخوّت مادراں
قوّتِ قرآن و ملت اوراں[5]

اقبال نے حضرت فاطمۃ الزہرہؓ کا ذکر کرتے ہوئے عورت کی توقیر میں اضافہ کیا ہے۔ سیدۃ النساء حضرت فاطمۃ الزہرہؓ کو مسلم خواتین کے لیے مکمل نمونہ قرار دیا ہے۔ اقبال کے نزدیک حضرت مریمؑ صرف حضرت عیسیٰؑ کی نسبت کی بنا پر عزیز ہیں لیکن حضرت فاطمۃ الزہرہؓ تین نسبتوں سے عزیز تر ہیں۔ اقبال نے پہلی نسبت حضرت محمد ﷺ کی دی جن کی آپؓ بیٹی ہیں۔ دوسری نسبت یہ کہ آپؓ حضرت علیؓ کی زوجہ محترمہ تھیں اور تیسری نسبت یہ ہے کہ آپؓ کاروانِ عشق کے سالار حضرت حسینؓ کی والدہ محترمہ تھیں۔ اقبال نے واضح کیا ہے کہ اولاد میں جو سیرت پیدا ہوتی ہے وہ ماں کی پرورش ہی سے پیدا ہوتی ہے۔ جس طرح حضرت فاطمۃ الزہرہؓ نے تسلیم و رضا کی

زندگی بسر کی، وہ ایک اعلیٰ نمونہ ہے۔ اس پر عمل کرنے سے خواتین اپنے شوہر اور اولاد کی زندگی سنوار سکتی ہیں۔ اس طرح ملت کے لیے عظمت اور سربلندی کا سامان کر سکتی ہیں۔ جب حضرت فاطمۃ الزہرہؓ آٹا پیسنے کے لیے چکی چلاتی تھیں تو آپؓ کے مبارک ہونٹوں پر قرآن کی تلاوت جاری رہتی تھی۔ آپؓ نے تنگ حالی میں بھی کبھی آنکھ سے آنسو نہ بہایا۔ اقبال نے انتہائی عقیدت کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ مجھے قرآنی قانون اور حضرت محمد ﷺ کے فرمان مبارک کا احساس و خیال ہے ورنہ میں آپؓ کی خاک پاک کو سجدہ کرتا اور آپؓ کے روزہ مبارک کا طواف کرتا اقبال کہتے ہیں:

مزرعِ تسلیم را حاصل بتولؓ
مادراں را اسوۂ کامل بتولؓ(6)

اپنی مثنوی ''رموز بے خودی'' میں اقبال نے اسلام کی پردہ نشین خواتین سے پُر وقار خطاب کیا ہے۔ اقبال نے مسلم خواتین کی چادر کو مسلمانوں کی عزت اور ناموس کا پردہ قرار دیا ہے۔ دراصل عورت کی گود میں پروان چڑھ کر اس کی تربیت اور پرورش ہی سے انسان عملی زندگی میں کامیاب اور کامران ہوتا ہے۔ اقبال نے عورت کی پاک فطرت کو مسلمانوں کے لیے باعث رحمت کہا۔ عورت کی تربیت سے دین مستحکم ہوتا ہے۔ جس سے ملت کو پھلنے پھولنے کا موقع ملتا ہے۔ عورت سب سے پہلے بچے کو لا الہ الا اللہ کہنا سکھاتی ہے۔ گویا دین کے استحکام کی خاطر اور ملت اسلامیہ کے لیے یہی بنیاد ہے۔ اقبال نے مسلمان خاتون کو خراج تحسین پیش کرتے ہوئے کہا ہے کہ تیری محبت اور شفقت ہمارے طور طریقوں کی، ہماری سوچ کی اور ہمارے کردار کی تراش خراش کرتی ہے اور انہیں سنوارتی ہے۔ اقبال کہتے ہیں کہ مسلم خاتون تیری سانسوں میں دین حق کا سوز ہے شریعت الٰہی بہت بڑی نعمت ہے جو ماں کے وسیلے سے اولاد کو پہنچتی ہے۔ پھر اس کے بدولت ملت اسلامیہ کو استحکام حاصل ہوتا ہے۔ اس لیے تجھے یہ نعمت اولاد تک ضرور پہنچانی چاہیے۔

اقبال کا خیال تھا کہ زمانہ عیار اور مکار ہے اور یہ مغربی تہذیب سے متاثر ہے جو سراسر عیاری اور مکاری کی حامل ہے یہ عوام کو دین سے بد ظن کرتی ہیں یہ صرف دنیاداری اور بنیادی فائدوں کو مد نظر رکھتی ہے۔ اقبال کے نزدیک دور حاضر کی عقل و دانش اندھی ہے۔ اسے صرف مادی دنیا سے دلچسپی ہے۔ اس کی نگاہیں بے باک ہیں اور شرم و حیا سے عاری ہیں جو بھی جدید تہذیب سے متاثر ہوتا ہے وہ اسی کا ہو کر رہ جاتا ہے۔ دین و ملت سے اسے کوئی سروکار نہیں رہتا یہ وہ لوگ ہیں جن کے پیش نظر صرف اور صرف دنیاوی فوائد ہیں۔ خدا کا خوف خدا کی پہچان اور

دینداری کی ان کے نزدیک کوئی اہمیت نہیں۔ یہ ایک منفی رویہ ہے۔ مگر مذکورہ لوگ اس رویے کو مثبت سمجھتے ہیں۔ اقبال اپنے فلسفۂ بے خودی میں عورت سے خطاب کرتے ہوئے اسے نہ صرف بیدار کرتے ہیں بلکہ گرد و نواح کے منفی پہلوؤں سے بھی اسے آگاہ کرتے ہیں۔ مسلمان خاتون سے مخاطب ہو کر اقبال نے کہا کہ تیری تربیت اور پرورش سے ہماری نسلیں اتحاد و یکجہتی اور دینداری کے جذبوں سے سرشار ہوں گی۔ تُو نفع اور نقصان کی بنا پر دنیاوی معاملات کو نہ جانچ اور اپنے آباؤ واجداد یعنی قدیم مسلمانوں کی راہ کے سوا کسی اور ڈگر پر قدم نہ رکھ۔ یعنی انہیں کے طور طریقے اپنا، تاکہ تیرے سپرد جو نسل کی گئی ہے وہ صحیح معنوں میں اسلام پر عمل پیرا ہو۔

مسلم خاتون کو چاہیے کہ وہ زمانے کی لوٹ مار سے ہوشیار رہے اور اپنے فرزندوں کو اپنی گود میں سنبھال کر رکھے اور ان کی طرف توجہ دے اور ان کی تربیت و پرورش صحیح اسلامی انداز سے کرے تاکہ وہ ملت کی جمعیت اور استحکام کا باعث بنے۔ یہ چمن زادے یعنی نئی نسل، جو ابھی اڑنے کے قابل نہیں ہوئے اپنے آشیانے سے دور پڑے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ مسلم خاتون کو ان پر توجہ دینی چاہیے۔ ان کی تربیت درست اسلامی طریقے پر کرے تاکہ وہ بچے دین اور ملت کی اہمیت سے آگاہ ہو کر مثبت کردار ادا کرنے کے قابل ہو سکیں۔ مسلم خاتون کی فطرت کو بلند جذبوں کی حامل ہونا چاہیے۔ اسے اپنی آنکھ حضرت فاطمۃ الزہرہؓ کے نمونے سے نہیں چرانی چاہیے اگر مسلمان خاتون حضرت فاطمۃ الزہرہؓ کا اسوۂ کاملہ پیش نظر رکھے اور اپنی اولاد کی تربیت اس پر کرے تو امید کی جاسکتی ہے کہ اس کے ہاں بھی حضرت امام حسینؓ کی شخصیت پروان چڑھے جو امام عالی مقام کی طرح ظالم اور باطل قوتوں سے ٹکرانے کی جرات کرے اور حق کی خاطر جان تک کا نذرانہ پیش کرنے سے بھی دریغ نہ کرے۔ ملتِ اسلامیہ کی تشکیل کے لیے ایسے جواں مرد اسوۂ بتولؓ پر عمل پیرا ہونے سے ہی دستیاب ہو سکتے ہیں۔

اقبال نے ''رموز بے خودی'' میں سورۃ اخلاص کی تفسیر ایک خاص انداز سے پیش کی ہے۔ سب سے پہلے قل ھواللہ احد یعنی ''کہہ دے کہ وہ اللہ ایک ہے'' کے حوالے سے وضاحت کی ہے۔ اقبال نے اپنے خواب کا حوالہ دیا جس میں اقبال کی ملاقات حضرت ابو بکر صدیقؓ سے ہوئی تھی۔ اقبال نے ان سے درخواست کی کہ آپ ہمارے مرض یاد کھ کا کوئی علاج تجویز کیجئے۔ حضرت ابو بکر صدیقؓ نے فرمایا کہ امتِ مسلمہ کب تک لالچ اور ہوس میں مبتلا رہے گی۔ خواب میں حضرت ابو بکر صدیقؓ نے سورہ اخلاص سے چمک دمک حاصل کرنے کی نصیحت کی تھی۔ مراد یہ کہ توحید پر کامل ایمان لانے کو کہا تھا۔ یہ بھی کہا تھا کہ یہ جو بے شمار سینوں میں ایک ہی سانس چل رہا ہے تو یہ توحید کے رازوں میں سے ایک راز ہے۔ سانس کا انداز ایک ہی ہے۔ دنیا بھر کے انسانوں میں یہ ایک طرح چل رہا ہے گویا یہ توحیدِ خداوندی کی علامت ہے۔

حضرت ابو بکر صدیقؓ نے خواب میں اقبال کو نصیحت کرتے ہوئے کہا تھا کہ تو خدا کا رنگ اختیار کر تو پھر تُو بھی اس جیسا ہو جائے گا۔ یعنی جب امتِ مسلمہ خود میں اتفاق اتحاد و پیدا کر کے توحیدِ خداوندی کا سا رنگ پیدا کر لے تو اس کی یک جہتی گویا خدائی جمال کا عکس بن جائے گا۔ امت مسلمہ ایک وحدت ہے اس میں کوئی فرقہ گروہ یا علاقائی نام نہیں ہے۔ اقبال نے حضرت ابو بکر صدیقؓ کی نصیحت کا ذکر اس طرح کیا کہ خود کو مسلمان کہنے کے بجائے ترک و افغان کہلانے پر آج خوشی محسوس کی جاتی ہے گویا آج کا مسلمان مختلف فرقوں اور گروہوں میں بٹ گیا ہے اور یہ قابل افسوس ہے کہ آج کے مسلمان نے امت مسلمہ کی سابقہ روایات یکجہتی اور یگانگت کو بھلا دیا ہے حقیقت بھی یہی ہے کہ فرقہ بندی اور گروہ پرستی نے امت مسلمہ کو سارے زمانے میں رسوا کر دیا ہے۔

اگر واقعی صاحب ایمان مسلم ہیں تو ہمیں چاہیے کہ ہم اپنی وحدت کو نقصان نہ پہنچائیں۔ حضرت ابو بکر صدیقؓ نے نصیحت کرتے ہوئے کہا تھا کہ تو ہونٹوں پر جو کچھ بھی لاتا ہے اسے دل میں بھی اتار لے۔ یعنی تو کلمۂ توحید صرف ہونٹوں سے ادا نہ کر بلکہ اگر تو صحیح معنوں میں مسلمان ہے تو یہ کلمہ دل میں بسا لے تاکہ اس کی بدولت ملت اسلامیہ کی جامعیت برقرار ہے۔ اے عہد حاضر کے مسلمان تو نے ایک ملت کی سیکڑوں ملتیں بنا ڈالی ہیں۔ اس طرح اپنے قلعے پر خود ہی شب خون مارا ہے۔ دراصل آج ملت اسلامیہ کے زوال کا ذمہ دار مسلمان خود ہے۔ مسلمانوں کو چاہیے کہ صرف زبان سے کلمہ توحید ادا نہ کریں بلکہ اس پر عمل پیرا ہو کر ملت میں اتحاد اور یکجہتی پیدا کریں جو اس وقت نہیں ہے۔

حضرت ابو بکر صدیقؓ نے نصیحت کرتے ہوئے اقبال کو کہا تھا کہ عمل سے ایمان کی لذت میں اضافہ ہوتا ہے اور جس ایمان پر عمل نہ کیا جائے وہ مردہ ہوتا ہے۔ زبانی کلامی ایمان کی باتیں کرنا ایک بے کار مشغلہ ہے۔ عمل سے ایمان کو تقویت بھی ملتی ہے اور صاحب عمل بھی ایک خاص قسم کی خوشی حاصل کرتا ہے۔ سورۃ الاخلاص کی اس آیت پر غور کرتے ہیں۔ ''اللہ الصمد'' کا مطلب ہے کہ اللہ بے نیاز ہے۔ جو اللہ کی یہ صفت اپنائے گا دنیا سے بے نیاز ہو جائے گا اور وہ عظمت اور سربلندی پائے گا۔ حضرت ابو بکر صدیقؓ نے نصیحت کرتے ہوئے یہ بھی کہا کہ تو کسی دولت مند یا سخی کے آگے تقدیر کا شکوہ نہ کر اور اپنے ہاتھ آستین سے باہر نہ نکال۔ حضرت علیؓ کی طرح جو کی روٹی یعنی سادہ خوراک پر قناعت کرنا سیکھ اور مرحب کی گردن توڑ کر خیبر فتح کر۔ حضرت علیؓ دلیر جذبوں کے مالک تھے۔ خوراک یا فائدے ان کے پیشِ نظر نہ تھے۔ انہوں نے اپنی دلیری اور شجاعت سے باطل قوت کا خاتمہ کیا تھا۔

حضرت ابو بکر صدیقؓ نے اقبال کو یوسفؑ کی طرح گراں قدر کہا اور کسی دنیوی کے آگے ہاتھ پھیلا کر خود کو ذلیل اور خوار کرنے سے منع کیا۔ اگرچہ تو ایک معمولی انسان بھی کیوں نہ ہو اور تیرے ذرائع انتہائی کم ہی کیوں نہ ہوں، پھر بھی کسی بڑی شخصیت کا احسان نہ اٹھا۔ اپنی ضرورتیں کم سے کم رکھ۔ اور سادہ زندگی بسر کر۔ کیوں کہ اسی سے تو باعزت اور باوقار زندگی بسر کر سکے گا۔ اس سے واضح ہے کہ ہم جس قدر دنیا سے بے نیاز رہیں گے ہماری زندگی اتنی پر سکون ہو گی۔ ہمیں اس قابل ہونا چاہیے کہ دوسروں کو فیض پہنچا سکیں نہ کہ دوسروں کے دست نگر بن جائیں۔ اس سے زندگی اپنا وقار کھو دیتی ہے۔ صحیح زندگی یہی ہے کہ دنیا میں انسان کا وقار بلند رہے۔ اس کے لیے ضروری ہے کہ دنیوی ضروریات سے بے نیازی اختیار کی جائے اور کسی بھی حاکم وقت کے آگے سر نہ جھکایا جائے۔ اس معاملے میں خواہ کتنی مشکلات کا سامنا کیوں نہ کرنا پڑے، دنیا سے بے نیاز رہنے والوں کے کام قدرت خود ہی سنوار دیتی ہے۔ اور ان کی ضروریات پوری کرنے کا سامان کرتی ہے۔

اقبال نے خلیفہ ہارون الرشید کا قصہ بیان کیا ہے۔ اس خلیفہ نے امام مالکؒ سے کہا کہ وہ اپنا شہر چھوڑ کر دارالخلافہ منتقل ہو جائیں۔ امام مالکؒ نے جواب دیا کہ جو مالک کا غلام ہے وہ تیرا خدمت گار نہیں بنے گا اگر تیری یہ خواہش ہے کہ تو دین کا علم حاصل کرے تو میرے خلقہ درس میں آ کر بیٹھ۔ گویا امام مالکؒ نے اسے بے نیازی کا سبق دیا۔ دراصل بے نیازی میں بڑے ناز ہیں اور بے نیازی کے رازوں میں بھی بہت سے انداز پائے جاتے ہیں۔

اللہ بے نیاز ہے۔ اس کی یہ صفت اختیار کرتے ہوئے انسان دنیا سے بے نیاز ہو جاتا ہے اور اس طرح ایک باوقار زندگی بسر کرتا ہے۔ امام مالکؒ نے خلیفہ ہارون رشید سے کہا "تیری فطرت میں صحیح اسلامی جذبہ نہیں رہا جس کے باعث ماسوااللہ سے تیری وابستگی ہے۔ تو مادی دنیا سے بے نیاز ہو جا اور یوں اپنے لیے صحیح معنوں میں وقار اور عظمت کا سامان پیدا کر۔ تو ہر کام کے لیے دوسروں کا دستِ نگر ہے۔ تجھ میں بے نیازی بالکل نہیں ہے۔ خلیفہ ہارون رشید دنیا سے بے نیازی اختیار کرنے کے بجائے اس میں ڈوبا ہوا ہے۔ اور دوسروں کا دست نگر ہے تو قرآن کریم اور حضورِ اکرم ﷺ کے سراسر خلاف جا رہا ہے ایسی زندگی پر جتنا افسوس کیا جائے کم ہے۔

ستارے چاند سے ضیا حاصل کرتے ہیں اور صبح ہوتے ہی غروب ہو جاتے ہیں۔ وہ اپنی مرضی سے نہ تو اپنی روشنی میں کمی بیشی کر سکتے ہیں اور نہ ہی اپنا وجود برقرار رکھ سکتے ہیں۔ ایسی زندگی جو دوسروں کی دستِ نگر ہو اس سے بچنا چاہیے۔ کوئی قوم اس وقت ایک باعزت قوم بنتی ہے جب وہ صرف اپنے زور بازو پر بھروسہ کرے اور

دوسروں کے دستِ نگر نہ رہے۔ آج امتِ مسلمہ کے ہر فرد کو چاہیے کہ حضرت محمد ﷺ کے پیغام کو سمجھنے اور اس پر عمل پیرا ہو کر اللہ کے سوا تمام مادی قوتوں اور غیر اللہ کو اپنا آقا ماننے سے انکار کرے۔

از پیامِ مصطفیٰؐ آگاہ شو
فارغ از اربابِ دون اللہ شو (7)

''لم یلد وَلم یُولد'' یہ خدا کی صفت ہے۔ ہم اس سے سبق حاصل کر سکتے ہیں۔ جسمانی طور پر انسان کسی کا باپ ہے، کسی کا بیٹا ہے۔ یہ جسمانی تعلق ہے۔ مسلمانوں کی شان حضرت سلمان فارسی کی زبان سے ادا ہوئی۔ ''مسلمان ابنِ اسلام''۔ مسلمانوں کی اصل نسبت اسلام سے ہے۔ ''اب'' یا ''اُم'' سے نہیں۔ مسلمان کا نہ کوئی وطن ہے اور نہ کوئی رشتہ نسب۔ اِس کی کوئی خاص اہمیت نہیں۔ ترک فرنگ آلودہ ہو جائے یا چینی اشتراکیت کی لپیٹ میں آ جائے مگر جب کبھی نسل و نسب میں مختلف کسی مسلمان سے ملتا ہے تو اس کے سینے میں اخوت کے جذبے کی لہر پیدا ہوتی ہے۔

''وَلم یَکُن لَّہٗ کُفُوًا اَحَد'' خدا کا کوئی ہمسر نہیں۔ یہ صفت بھی مردِ مومن میں پیدا ہو جاتی ہے۔ ملت اسلامیہ بھی اسی طرح بے ہمتا ہو سکتی ہے کہ اس انداز کی کوئی اور ملت نہ ہو۔ کلامِ اقبال میں خلوص اور صداقت کے پہلو جگہ جگہ اپنی ضوفشانی سے جہان کو منور اور معطر کر رہے ہیں۔ اقبال نے رموزِ بے خودی میں خاتم النبیین ﷺ سے بے پناہ محبت کا اظہار کیا ہے۔ اقبال نے اس میں اپنی داستانِ درد بھی بیان کی ہے۔ آپؐ کی بدولت زندگی کے خوابوں کو تعبیر ملی مگر اقبال افسردہ ہیں کہ آج کا مسلمان آپؐ سے بیگانہ ہے۔ اقبال نے جو کہا قرآن کے عین مطابق کہا اس کے باوجود اقبال کا کہنا ہے کہ اگر میرے دل پر غلاف چڑھ گیا اور میں نے قرآن سے ہٹ کر کچھ کہا تو اے رسالت مآبؐ میری فکرِ کج کو جلا کر خاک کر دیجیے۔ میرے خس سے اپنا گلشن پاک کر لیجیے اور مجھ کو معتوب و مقہور رکھیے اور قوم کو بھی میرے شر سے دور رکھیے۔ میرے کھیت کے خس و خاشاک پر ابرِ رحمت بن کر مت برسیے۔ مجھے محشر میں ذلیل و رسوا کر دیجیے اور اپنے قدموں کے بوسے سے مجھے محروم رکھیے۔ اس کے برعکس اگر میرا کلام قرآنی ہو، حق گوئی سے میں نے کام لیا ہو تو اے رحمت ادنیٰ کو سروری بخشنے والے میرے حق میں آپؐ کی ایک ہی دعا کافی ہے۔ میں سمجھوں گا کہ میں نے اپنی کاوش کا صلہ پا لیا۔ میرا رب مجھے عمل میں پختہ تر کر دے۔ میں ابرِ بہار کے پانی کا قطرہ ہوں، مجھے گوہر بنا دیا جائے۔ اقبال نے اس مثنوی کا اختتام حضرت رسالت مآب ﷺ سے محبت اور عقیدت پر کیا ہے۔

اسرارِ خودی کی اشاعت ۱۹۱۵ء کے تین سال بعد ۱۹۱۸ء میں رموزِ بے خودی منظرِ عام پر آئی۔ علامہ اقبال کے پیشِ نظر ہمیشہ ملتِ اسلامیہ کی ترقی اور بہبود سرِ فہرست رہی ہے۔ اسرارِ خودی میں تصورِ خودی کا جماعتی پہلو تشنہ دکھائی دیتا تھا اس لیے اقبال نے رموزِ بے خودی میں اپنی ساری توجہ ملت کی خودی پر مرکوز کی۔ اس کے پس منظر میں اسلامی عقیدے کو ایک مربوط نظامِ فکر و عمل کی حیثیت سے پیش کیا۔ اقبال نے ملت کی خودی میں فرد کی خودی کے ضم ہونے کو ''بے خودی'' سے تعبیر کیا۔ اقبال نے ملتِ اسلامیہ سے خطاب کرتے ہوئے اسے ''خاتمِ اقوام'' قرار دیا۔ تمہید کے طور پر ربطِ فرد و ملت پر روشنی ڈالی اور ربطِ ملت کو فرد کے حق میں حیات قرار دیا۔ اقبال نے ملتِ اسلامیہ کے بنیادی ارکان توحید اور رسالت قرار دیے ہیں۔ توحید کے موضوع پر بات کرتے ہوئے اقبال نے لاالٰہ کو جاں اور ملتِ بیضا کو تن قرار دیا۔ سازِ دل پر لاالٰہ کو نغمہ فشاں قرار دیا۔ توحید سے ناامیدی، مایوسی اور خوف کا خاتمہ ہو جاتا ہے جس کے لیے اقبال نے ''لَا تَقنَطُوا'' اور ''لَا تَحزَن'' کے قرآنی حوالے استعمال کیے ہیں۔ تیر کو تلوار پر نثار اور بازوئے خالد کا ہمراز کہا ہے۔ تیر کو اقبال نے آگ کا پیکر کہا۔ شہنشاہ عالمگیر کی تعریف کی۔ اسے مردِ مومن اور دل کا شیر قرار دیا کیونکہ اس نے نماز کے دوران ہی حملہ آور شیر کو ایک ہی وار سے ڈھیر کر دیا۔ درج بالا صفات توحید پر کامل ایمان ہی کی بدولت نصیب ہوتی ہیں. اور غیر اللہ کے خوف سے نجات ملتی ہے۔

ملتِ اسلامیہ کے بنیادی ارکان میں دوسرا رکن ''رسالت'' ہے۔ اقبال نے بہت سے قرآنی حوالے دے کر اس موضوع پر گفتگو کی ہے اور ''لَا نَبِیَّ بَعدِی'' میرے بعد کوئی نبی نہ ہو گا کی حدیث سے بے خودی کے رکن ''رسالت'' کی اہمیت، حرمت اور پاکیزگی میں اضافہ کیا ہے۔ اقبال نے رسالتِ محمدیؐ کو تشکیلِ مساوات اور حریت کا باعث قرار دیا ہے پھر اسلامی اخوت کے باب میں کہا ہے کہ ایک فرد کا وعدہ پوری ملت کا وعدہ ہے۔ اگر کوئی شخص کسی کو میدانِ جنگ میں جان کی امان دے تو اے ملتِ خیر الانامؐ، اس پر تیغ حرام ہو جاتی ہے۔ ایک فرد کا وعدہ پوری ملت کا وعدہ ہے۔ یہی اسلامی اخوت ہے۔ اسی لیے قومِ رسولِ ہاشمیؐ ترتیب میں بھی خاص ہے۔ اسلامی مساوات کی بات ہو تو سلطان بھی عدالت میں حاضر ہوتا ہے۔ اس کے خلاف بھی فیصلہ سنایا جاتا ہے۔ یہی رموزِ بے خودی کے نمایاں نکات ہیں۔ یہی اسلامی مساوات کے تابندہ اور درخشاں پہلو ہیں۔

اسلامی حریت کی عمدہ ترین مثال شہادتِ حسین سے بڑھ کر اور کوئی ہو ہی نہیں سکتی۔ اقبال نے اسلام کی آفاقیت ثابت کرتے ہوئے کہا ہے کہ ہم اسلام سے پہچانے گئے ہیں۔ وطنیت ملت کی بنیاد ہر گز نہیں ہے۔ قوم کی اساس وطن پر ہو تو اخوت کا لباس چاک ہو جاتا ہے۔ اسلام زمانی حدود و قیود سے آزاد ہے۔ اقبال نے لازمانیتِ اسلام

کا پیغام دیا ہے۔ امتِ مسلم پائندہ و تابندہ رہنے والی ہے۔ یہ آیۂ حق کی طرح جاوداں ہے اور سایۂ حق کی طرح پھلتی پھولتی رہے گی۔ ملتِ اسلامیہ کا آئین قرآنِ حکیم ہے۔ اگر ملت اس آئین سے دور ہوئی تو ریزہ ریزہ ہو جائے گی۔

اقبال نے تقلید اور اجتہاد کو موضوع بناتے ہوئے فلسفۂ بے خودی میں واضح طور پر کہا کہ عصرِ نو فتنہ پرور اور فتنہ جو ہے۔ روایت سے بغاوت اس زمانے کی خُو بن چکی ہے۔ ان حالات میں تقلید ہی ضبطِ ملت کے لیے مؤثر ہے۔ عالمانِ کم نظر جس قسم کا اجتہاد چاہتے ہیں وہ کسی بھی طرح ملت کے حق میں نہیں۔ اقبال نے اتباعِ شریعت کو سیرت کی پختگی کا باعث قرار دیا۔ جب سے شعارِ مصطفیٰؐ کا دامن چھوڑا ہے قوم سے رازِ بقا بھی رُخصت ہو گیا۔ اقبال نے پیغام دیا ہے کہ مسلمان کی فطرت خیر ہی خیر ہے۔ ہمیں اہلِ دنیا کے لیے خورشید بن کر رہنا چاہیے۔ آپ نے کارِ حیات اور اسرارِ حیات کا عقدہ کھولتے ہوئے کہا ہے کہ طوافِ کعبہ سے ہی ملتِ اسلامیہ کے ستاروں کی محفل جذبِ باہم کی طرح مضبوط ہے، مرکزیت میں قوموں کی جان ہے۔ جو ملت اپنے مرکز سے دور ہوتی ہے وہ شیشے کی طرح چکنا چُور ہو جاتی ہے۔

اقبال نے زندگی کے مقاصد اور ان کے حصول پر بہت اہمیت دی ہے۔ ناخدا ساحل کی طرف جاتا ہے جبکہ راہرو منزل کی طرف گامزن رہتا ہے۔ نصب العین کی بدولت زندگی رواں دواں رہتی ہے۔ مقصدِ حیات انگاروں پر بھی چلنے کا حوصلہ پیدا کر دیتا ہے۔ اگر کوئی مقصد پیشِ نظر ہو تو خون کی گردش بھی تیز سے تیز تر ہو جاتی ہے۔ ایک لمحے کے لیے رک جانا، منزل سے سو سال دور کر دیتا ہے۔ امتِ مسلمہ دین سے وابستہ ہے۔ اس کے پاس محکم آئین یعنی قرآنِ پاک بھی موجود ہے۔ رب نے ہمیں یہ جو حرفِ حق کا راستہ دکھایا ہے، اسے دوسروں تک پہنچانا ہم سب کا اولین فرض بھی ہے اور نصب العین بھی۔ اسلام ہمیں فطرت کو تسخیر کرنے کا سبق سکھاتا ہے۔ دریاؤں میں غوطے لگا کر تہوں سے خزانے نکالنے کی ترغیب دیتا ہے۔ اس کائنات میں جہاں اندر جہاں پوشیدہ ہیں۔ ایک ذرّے میں سو سورج نہاں ہیں۔ اقبال کہتے ہیں کہ جو قوم علمِ اشیا کی طالب ہو گئی وہ دنیا میں غالب ہو گئی۔

اقبال نے ملت کی خودی کا شاندار نقشہ کھینچا ہے۔ ملت کی مثال طفلِ نو کی سی ہے۔ نومولود ہر بات سے بے خبر ہوتا ہے۔ ملتِ نو کو بھی فرد کا ہوش نہیں۔ پھر ہر فرد قوم کی جامع داستان بنتا ہے۔ افراد کو چاہیے کہ وہ تاریخ کا مطالعہ کریں۔ اس طرح وہ اپنے شاندار ماضی سے روشناس ہوں گے۔ اس طرح ملت مستحکم تر ہوتی چلی جائے گی۔ اقبال نے اسلام میں عورت کے مقام پر بھی روشنی ڈالی ہے۔ اقبال نے ماں کو سرمایۂ ایماں کی محافظ قرار دیا اسے

دولتِ قرآں کی پاسباں کہا ہے۔ آپ نے حضرت فاطمۃؓ الزّہرا کے اوصاف بیان کیے اور مستوراتِ اسلام سے خطاب فرماتے ہوئے کہا کہ حالات شدید ناخوشگوار ہیں اس لیے تم اسوۂ زہراؓ کو پیشِ نظر رکھو۔ تاکہ تم بھی ایسا حسینؓ پیدا کر سکو جس کے نور سے مشرقین روشن ہوں۔

اقبال کے خواب میں حضرت ابو بکر صدیقؓ تشریف لائے اور سُورۂ اخلاص کی پیروی کا مشورہ دیا۔ اقبال نے رحمۃ لِلعَالمین کے حضور درخواست پیش کی اور اپنے مقاصدِ جلیل کی کامیابی کے لیے استدعا کی۔ ملتِ اسلامیہ کی تفصیل کے لیے اقبال کی مثنوی ''رموزِ بے خودی'' قابلِ ستائش ہے۔ اس کے موضوعات کا مطالعہ تحقیق و تنقید کی راہوں میں توسیع کا باعث ہے کہ اس مضمون مطالعے سے اقبالیات میں تحقیق کی راہیں کشادہ ہوں گی اور نئے مآخذ تخلیق پائیں گے۔

حوالہ جات

(1) توقیر احمد خاں، پروفیسر، میرے اقبال، مجموعہ مضامین، نئی دہلی 110025: ایف/13/14/A جوگا بائی ایکسٹینشن، جامعہ نگر، 2019ء ص 11

(2) رفیع الدین ہاشمی، علامہ اقبال ایک تعارف، لاہور: اسلامک پبلی کیشنز، 2020ء ص 43

(3) فرمان فتح پوری، اقبال سب کے لیے، کراچی: بابِ الاسلام پرنٹنگ پریس 1978ء ص 85

(4) اقبال، کلیاتِ مکاتیبِ اقبال، جلد اول، مرتبہ، سید مظفر حسین برنی، دہلی: اردو اکادمی، اشاعت اول 1989ء ص 728

(5) اقبال، کلیاتِ اقبال فارسی، رموزِ بے خودی، لاہور: شیخ غلام علی اینڈ سنز، ص 151

(6) اقبال، کلیات اقبال فارسی، ص 153

(7) اقبال، کلیات اقبال فارسی، ص 161